اسباب نزول (قسط اول)

(The Occasions, Reasons, and Contexts for the Revelation of the Qur'ān)- Part-I

☆ سراج الاسلام حنیف

Abstract

The Arabic word *sabab* (pl. *asbāb*) means reason, cause, occasion and motive. *Ma'rifah asbāb al-nuzūl* is the knowledge about the reasons of the revelations, i.e. the knowledge about the particular events and circumstances in history that are related to the revelation of particular passages from the Qur'ān. Knowledge about the *asbāb al-nuzūl* helps one to understand the circumstances in which a particular revelation occurred, which sheds light on its implications and gives guidance to the explanation *(tafsīr)* and application of the *āyah* in question for other situations. The extent and scope of usefulness of the occasions of revelation have been a matter of contention among scholars. Some scholars overstressed their importance so much that they gave the impression that every passage of the Qur'ān must have an occasion, while others seemed inclined to play down their usefulness and importance altogether. This article analyses the importance and benefits of the science of *asbāb al- nuzūl in* accordance with the opinions of the celebrated scholars of the field.

فہم قرآن مجید میں شان نزول کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ فہم قرآن مجید سے غرض یہ ہے کہ انسان مجتہدانہ طور پر اَحکام کا استنباط کر سکے۔ قرآن مجید کی کسی آیت کو پڑھ کر اس کے واقعی اور حقیقی مفہوم کو متعین کر سکے' اس کے معیارِ بلاغت کو دریافت کر کے یہ سمجھ سکے کہ یہاں کلام کا مقتضائے حال کیا ہے اور کس چیز پر زور دینا منظور ہے۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات کسی خاص واقعہ کے سبب نازل ہوتی ہیں، یا ان میں کسی سوال کا جواب دیا گیا ہوتا ہے، یا کسی مسئلہ کا حکم بیان کیا گیا ہوتا ہے اور بہت سی آیات ایسی بھی ہیں جو کسی واقعہ یا سبب یا سوال کے بغیر نازل ہوئی ہیں۔ ایسے واقعہ یا سوال کو، جس کے نتیجے میں قرآن مجید نازل ہوا ہو، سبب نزول یا شانِ نزول کہا جاتا ہے۔

اس فن میں لکھنے والے

1. امام علی بن المدینی[1]

* اسسٹنٹ پروفیسر 'عبدالولی خان یونیورسٹی' مردان

2. امام واحدی[2]: اسباب النزول، جس کا اختصار جعبری نے کیا ہے۔
3. حافظ ابن الجوزی[3]
4. حافظ ابن حجر عسقلانی[4]: العُجابُ في أسباب النزول
5. حافظ سیوطی[5]: لُبابُ النقول في أسبابِ النزول

علوم القرآن کی کتابوں میں بھی اس موضوع پر شرح وبسط سے اِظہارِ خیال کیا گیا ہے، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ[6]، امام زرکشی[7]، حافظ سیوطی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی[8] نے اپنی کتابوں میں اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

اسبابِ نزول کی اہمیت:

تفسیر قرآن مجید میں اسبابِ نزول کو کس قدر اہمیت حاصل ہے؟ اس سلسلے میں علماء کے مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آتے ہیں۔ بعض علماء نے اس پر بہت زور دیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے کے لیے اسبابِ نزول کی معرفت کو لازمی قرار دیا ہے جب کہ بعض علماء اس کی اِفادیت کے تو قائل ہیں لیکن اس سے محتاط اندازہ میں استفادہ کرتے ہیں۔ امام واحدی لکھتے ہیں:

" هي أوفَى مايجب الوقوف عليها وأولَى ماتصرف العناية إليها لإمتناع معرفة تفسير الآية وقصد سبيلها دون الوقوف على قصتها وبيان نزولها"[9]

" اسبابِ نزول سے واقفیت اور دلچسپی بہت ضروری ہے اس لیے کہ آیت کی تفسیر کا علم اور اس کے مدعا کا حصول اس کے واقعہ سے واقفیت اور اس کے سبب نزول کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ "

امام ابن دقیق العید[10] لکھتے ہیں:

"وبيانُ سبب النزولِ طريقٌ قويٌّ في فهم معاني الكتابِ العزيزِ"[11]

"سبب نزول کا بیان معانی قرآن کے فہم کا زبردست ذریعہ ہے۔"

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"معرفة سبب النزول يُعينُ على فهم الآية ، فإنَّ العلم بالسبب يورثُ العلم بالمسبب"[12]

سببِ نزول کی معرفت آیت کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے اس لیے کہ سبب کے علم سے مسبب کا علم حاصل ہوتا ہے۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا نقطہ نظر اس سلسلے میں اعتدال پر مبنی ہے۔ انہوں نے ایک طرف اس غلو کی سخت الفاظ میں تردید کی ہے جس کا عام طور سے مفسرین، راویان اور مؤلفین اسبابِ نزول شکار ہوئے ہیں۔ دوسری طرف بعض آیات قرآنیہ کی تفسیر میں معرفت اسبابِ نزول کا اعتراف کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

''عامة المفسرين يربطون كل آيةٍ من آيات المخاصَمةِ وآيات الأحكام بقصةٍ،ويظنون أنَّ تلك القصة سببُ نزولها،والمُحَقَّقُ:أن القصدالأصلي من نزول القرآن تهذيب النفوس البشرية،ودمغ العقائدالباطلة،ونفي الأعمال الفاسدة،فوجود العقائد الباطلة في المكلَّفين سببٌ لنزول آيات المخاصَمةِ،ووجودالأعمال الفاسدة وجريان المظالم فيما بينهم سببٌ لنزول آيات الأحكامِ،وعدم تيقُّظهم بما عدا ذكر آلاء الله وأيام الله ووقائع الموت وما بعده سبب لنزول آيات التذكير،وما تكلفوامن خصوصيات القصص الجزئية لا مَدخَلَ لها يعتد به إلاَّ في بعض الآيات ، حيث وقع التعريض فيهالواقعةمن وقائع وجدت في زمنه عليه السلام أوقبل ذلك،ولايزول مايعرض للسامع من الإنتظارعند سماع ذلك التعريض إلاَّ ببسط القصَّةِ،فلزم أن نشرح هذه العلوم بوجه يستلزم مؤونة إيراد القصص الجزئية''[13]

''عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو، خواہ مُخاصَمہ (مباحَثہ) کی ہو یا اَحکام کی، ایک قصہ کے ساتھ مربوط کیا ہے اور اس قصہ کو اس آیت کے لیے سببِ نزول مانا ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ نزولِ قرآن مجید سے اصل مقصود نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور اُن کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ اس لیے آیاتِ مباحَثہ کے نزول کے لیے مکلفین میں عقائدِ باطلہ کا وُجود اور آیاتِ احکام کے لیے اُن میں اعمالِ فاسدہ اور مظالم کا شیوع اور آیاتِ تذکیر کے نزول کے لیے اُن کا بغیر ذکرِ آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے ہولناک واقعات کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہوا ہے۔ خاص خاص واقعات، جن کو بیان کرنے کی زحمت اُٹھائی گئی ہے، ان کا اسبابِ نزول میں چنداں دخل نہیں مگر صرف بعض آیات میں جہاں پر کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رسول اللہ ا کے زمانے میں یا اُس سے پیش تر ہوا ہو، کیوں کہ سننے والے کے دل میں اس اشارہ سے ایک گہرا انتظار پیدا ہو جائے گا جو قصہ کی تفصیل معلوم کیے بغیر زائل نہ ہو گا اس وجہ سے ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (تفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص (یعنی: بے تعلق) واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔''

آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’والأخرَى أن يعلم أن أكثرأسباب النزول لا مدخَلَ لهافي فهم معاني الآيات، أللهم إلاَّ شيئٌ قليلٌ من القصص يُذكر في هذه التفاسير الثلاثة ، التي هي أصحُّ التفاسيرعند المحدثين ، و أماإفراط محمد بن اسحاق والواقدي و الكلبي وماذكروا من تحت كل آيةٍ من قصةٍ فأكثره غيرصحيح عند المحدثين ، وفي إسناده نظرٌ ، ومن الخطأالبيَّن أن يعد ذلک من شروط التفسير،والذي يرى أن تدبركتاب الله متوقف على حفظه،فمن فاته فقد فات حفظه من كتاب الله‘‘[14]

’’ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر اسبابِ نزول کا آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں،ماسوائے اس تھوڑے اور معمولی حصہ کے جو اِن تین تفاسیر[15] میں ذکر کیا گیا ہے۔ محمد بن اسحاق[16] واقدی[17] اور کلبی[18] نے قصہ آفرینی میں جس قدر اِفراط کی ہے[19] محدثین کے نزدیک ان کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے اوران کی اِسناد میں نقصانات ہیں۔ ان لوگوں کے اِفراط کو علم تفسیر کے لیے شرط سمجھنا صریح غلطی ہے اوراس کے حفظ پر فہمِ کتاب اللہ کو موقوف خیال کرنادراصل اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اپنا حصہ کھونا ہے۔‘‘

علم اسبابِ نزول کے فوائد:

ا امام زرکشی اور حافظ سیوطی نے اس علم کے متعدد فوائد لکھے ہیں:

1. اس سے اس حکمت کا پتا چلتا ہے جس کی بنا پر حکم کو مشروع کیا جاتا ہے۔
2. اس سے حکم کی تخصیص کا علم ہوتا ہے[اُن لوگوں کے نزدیک جو خصوصِ سبب کا اعتبار کرتے ہیں۔
3. اس سے آیاتِ قرآنی سمجھ میں آتی ہیں۔
4. اس سے حصر کا وہم دور ہوتا ہے،مثلاً: ’’ قُلْ لاَّ اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً عَلٰی طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ‘‘[20] میں بظاہر حصر پایا جاتا ہے مگر سببِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حصر نہیں۔

امام زرکشی اور حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

’’قال الشافعي مامعناهُ في قوله تعالى:قُلْ لاَّ اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً عَلٰی طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ إنّ الكفار لما حرّمُوا ماأحلَّ الله وأحَلُّوا ما حَرَّم الله ، وكانوا على المضادَّة والمحادَّة جاء ت الآية مناقضةً لغرضهم فكأنه قال:لاحلالَ إلاَّ ماحرَّمتموهُ،ولاحرامَ إلاَّ ما أحللتموهُ نازِلاً منزلة من يقول:لاتأكل اليوم حلاوةً، فتقول : لاآكل اليوم إلاَّ الحلاوةَ ؛ والغرض المضادَّةُ،لاالنفي

والإثبات على الحقيقة؛فكأنه قال:لا حرامَ إلاَّ ما أحللتموهُ من الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهِلَّ لغيرالله به،ولم يقصد حل ماوراء ه،إذِ القصدُ إثباتُ التحريمِ،لا إثباتُ الحِلِّ''[21]

" امام شافعی[22] نے آیت کریمہ: ''قُلْ لاَّ اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّماً عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ '' کا معنٰی واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت کفار نے اللہ تعالیٰ کی حلال بنائی ہوئی چیزوں کو حرام اور اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دیا- اور لوگ خوامخواہ ضد و عناد کی وجہ سے ایسا کرتے تھے- تو اُس وقت یہ آیت اُن کی غرض و مطلب کی مناقضت و مخالَفت کے لیے نازل ہوئی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حلال بس وہی ہے جس کو تم نے حرام ٹھہرایا ہے اور حرام بس وہی ہے جس کو تم نے حلال ٹھہرایا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ کہ دو مخالف شخصوں میں سے ایک یہ کہے کہ میں آج میٹھا نہیں کھاؤں گا اور دوسرا ضد پر آکر کہے کہ میں تو آج میٹھا ہی کھاؤں گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مشرکین کی مخالَفت اور اُن کی ضد مقصود ہے' نہ در حقیقت نفی و اِثبات۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن چیزوں یعنی: مردار'(بہتا ہوا) خون' سور کے گوشت اور غیر اللہ کے تقرب میں ذبح کیے ہوئے جانوروں کو تم نے حلال کر دیا ہے' حالانکہ حرام چیزیں یہی ہیں، ان کے سوا کوئی چیز حرام نہیں۔ اس بات سے ان چیزوں کے ماسوا کا حلال ہونا مراد نہیں لیا اس لیے کہ یہاں تو محض حرمت ثابت کرنے کا قصد تھا' نہ کہ حلت ثابت کرنے کا۔"

5. اس سے اِشکال رفع ہوتا ہے۔ سبب نزول کی معرفت سے آیات کے معنی منکشف ہو جاتے ہیں اور اُن کے سمجھنے میں اُلجھن نہیں ہوتی۔

امام واحدی لکھتے ہیں:

''لاَيُمكن تفسيرُ الآيةِ دون الوقوفِ على قصتها وبيان نزولها''[23]

''بغیر اس کے کہ کسی آیت کے قصہ اور سبب نزول سے واقفیت ہو اُس کی تفسیر کر سکنا ممکن ہی نہیں۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر آیات کے معانی صحیح طور پر اس وقت تک صحیح نہیں سمجھے جا سکتے جب تک کہ اُن کے اسبابِ نزول معلوم نہ ہوں' چنانچہ انہوں نے کسی لفظ کا معنٰی معلوم نہ ہونے کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے بارہ اَسباب گنائے ہیں' ان میں تیسرا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں:

''وتارةً يكونُ لغفلةٍ عن سبب النُّزول''[24]

''کبھی کبھار سببِ نزول سے لاعلمی بھی اس کا سبب بن جاتی ہے۔''

اس کی کئی مثالیں ہیں جن میں سے ایک یہاں پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''وَلاَتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْـــرَحُوْنَ بِمَـــا اَتَوْاوَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَـــدُوْابِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلاَتَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّـــنَ الْعَذَابِ''[25]

''جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام نہیں کیے ہیں اُن پر بھی اُن کی مدح کی جائے سو ایسے لوگوں کے لیے ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے حفاظت میں رہیں گے۔''

سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہ[26] کو اس آیت میں اِشکال پیش آیا سو اُنہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ[27] کی خدمت میں ایک قاصد بھیجا اور اُس سے کہہ دیا کہ اُنہیں عرض کریں کہ:

''لئِنْ كان كُلُّ امرِيءٍ فرح بما أوتِيَ وأحَبَّ أن يُّحمَدَ بما لم يفعل معَذَّباً ليُعَذَّبُنَّ أجمعونَ؟فقال ابن عباس:وما لكم ولهذه ؟إنمادعا النبي ا ليهود فسألهم عن شيئٍ فكتمه إيَّاهُ وأخبروه بغيره فأَرَوهُ أن قد استحمدوا إليه بما أخبروه عنه فيما سألهم و فرحوا بما أوتوا من كتمانهم''[28]

'' آیت: وَلاَتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ کی رو سے تو ہم سب کو عذاب ہونا چاہیے کیونکہ ہر ایک آدمی ان نعمتوں پر جو اس کو ملی ہیں، خوش ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جو کام اس نے کیا نہیں اس پر بھی اُس کی تعریف ہو۔ (قاصد نے جا کر پوچھا تو) سیدنا ابن عباس نے جواب دیا: تم (مسلمانوں) سے اس آیت کا کیا تعلق؟ یہ تو رسول اللہ ا نے یہودیوں کو بلایا تھا اور اُن سے ایک چیز (دن) کی بات پوچھی تھی (جو اُن کے آسمانی کتاب میں موجود تھی) اُنہوں نے اصل بات کو تو چھپایا اور دوسری غلط بات بیان کر دی پھر بھی اس بات کے خواہش مند رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں جو کچھ اُنہوں نے بتایا ہے، اس پر ان کی تعریف کی جائے اور ادھر اصل حقیقت کو چھپا کر بھی بڑے خوش تھے۔''

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''وقولهم :نزلت هذه الآية في كذا يُراد به تارةً أنه سبب النزول ويُراد به تارةً أنَّ ذلک داخلٌ في الآيةِ وإن لم يكن السبب،كماتقول:عني بهذه الآية كذا''[29]

امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

''وبيانُ سبب النزولِ طريقٌ قويٌّ في فهمِ معاني الكتابِ العزيزِ،وهوأمرٌ يحصل للصحابة بقرائن تحتفُّ بالقضايا''[30]

''سبب نزول کا بیان معانی قرآن کے فہم کا زبردست ذریعہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کو اس کا علم مختلف قضایا اور قرائن سے حاصل ہوا۔''

اعتبار عموم لفظ کا ہے، نہ کہ خصوصِ سبب کا، علامہ زمخشری[31] لکھتے ہیں:

''ويجوزأن يكون السبب خاصاً والوعيدعاماًليتناولَ كُلَّ مَنْ بَاشَرَ ذلك القبيح ولِيَكُونَ جارياًمَجرَى التعريض بالوارد فيه، فإنَّ ذلك أزجرله،وأنكَى فيه ''[32]

'' بسااوقات سبب خاص ہوتا ہے مگر وعید عام ہوتی ہے تاکہ جو شخص بھی اس قبیح فعل کا اِرتکاب کرے، اُس کو شامل ہو اور اس میں مذکور تعریض کا اس پر بھی اِطلاق ہو۔ اس میں زیادہ زجر وتوبیخ ہے۔''

امام زرکشی لکھتے ہیں:

''وقد يكون السبب خاصاً والصيغَةُ عامةً لِيُنَبِّهَ على أنَّ العبرة بعموم اللفظ''[33]

''بسااوقات سبب مخصوص ہوتا ہے لیکن صیغہ عموم کا استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہ وضاحت مقصود ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے۔''

حافظ سیوطی لکھتے ہیں:

''اختلف أهل الأصول:هل العبرة بعموم اللفظ أوبخصوص السبب؟والأصح عندناالأول''[34]

''علمائے اصول کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ قرآنی آیات میں اصل اعتبار عموم لفظ کا ہوگا یا خصوصِ سبب کا؟ ہمارے نزدیک پہلی بات صحیح ہے۔''

اُنہوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام مخصوص واقعات کے پس منظر میں نازل ہونے والی آیات کے عموم سے استدلال کرتے تھے اور یہ چیز اُن کے درمیان عام اور معروف تھی۔[35]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسبابِ نزول کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔ جن واقعات کی جانب آیات میں کثرت سے تعریضات آئی ہوں ان کو بیان کرنا وہ ضروری قرار دیتے ہیں لیکن جن واقعات کے بغیر آیات کے معانی سمجھ میں آجاتے ہوں اور وہ اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہوں اُن کی تفسیر میں واقعات کو نقل کرنے کی بالکل ضرورت محسوس نہیں کرتے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''وسبب النزول علی قسمین:القسم الأول:أن تقع حادثۃ یظھرفیھا إیمان المؤمنین و نفاق المنافقین کماوقع في أُحُد والأحزاب۔ أنزل االله تعالی مدح ھٰؤلاء و ذَمَّ أولئک ، لیکون فیصلاً بین الفریقین ۔ و ربما یقع في مثل ھذا من التعریض بخصوصیات الحادثۃ مایبلغ حدالکثرۃ فیجب أن یذکرشرح الحادثۃ بکلام مختصرلِیَتَّضِحَ سَوق الکلام علی القارئ۔والقسم الثاني:أن یتم معنی الآیۃ بعمومھامن غیراحتیاج إلی العلم بالحادثۃ التي ھي سبب النزول والحکم لعموم اللفظ،لالِخُصوص السبب،وقدذکرقدماء المفسرین تلک الحادثۃ بقصدالإحاطۃ بالآثارالمناسبۃ للآیۃ أوبقصدبیان ماصدق علیہ العموم،ولیس ذکر ھذاالقسم من الضروریات''[36]

''سبب نزول کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہوا ہو جس میں مؤمنوں کے ایمان اور منافقین کے نفاق کی جانچ کی گئی ہو، چنانچہ غزوہ اُحُد اور غزوہ اَحزاب میں ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی مدح اور منافقین کی مذمت نازل فرمائی تا کہ ان دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جائے اور اس مدح وذم میں اس حادثہ کی جانب تعریضات بکثرت مذکور ہیں اس لیے ضروری ہے کہ پہلے اس واقعہ کی مختصر تاریخ ذکر کی جائے تا کہ ان آیات کا سیاق پڑھنے والوں پر منکشف ہو جائے۔ دوسری قسم وہ ہے کہ آیت کا معنیٰ اس حادثہ کو معلوم کیے بغیر ہی، جو کہ سبب نزول ہوا ہے، اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہیں اور اس میں لفظ کے عموم کا حکم معتبر ہے، نہ کہ خصوص سببِ نزول کا۔ مگر متقدمین مفسرین نے اس آیت کے مناسب احادیث وآثار کو جمع کرنا چاہا یا اس آیت کے مفہوم اور عام حکم کا کوئی مصداق ذکر کرنا چاہا تو اس کے لیے سبب نزول کو ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے قصوں کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں۔''

[جاری ہے]

حواشی ومراجع

1- علی بن عبد اللہ بن جعفر سعدی ابن المدینی البصری' محدث و مؤرخ تھے۔ بصرہ میں ۱۶۱ھ = ۷۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے حافظ حدیث تھے۔ لگ بھگ دو سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ علم اختلاف حدیث میں امام احمد بن محمد بن حنبل کے پائے کے عالم تھے۔ ۲۳۴ھ = ۸۴۹ء کو سامراء میں وفات پائی۔ (تاریخ بغداد ۱۱:۴۵۸' تذکرۃ الحفاظ ۲:۴۲۸' الاعلام ۴:۳۰۳)

2- علی بن احمد بن محمد بن علی' واحدی نیشاپوری شافعی' نیشاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں ۴۶۸ھ = ۱۰۷۶ء کو وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۸:۳۳۹' الاعلام ۴:۲۵۵)

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "والواحدي صاحبه كان أبصر منه بالعربية' لكن هو أبعد عن السلامة واتباع السلف" (مجموع الفتاوی ۱۳:۱۵۸)

"واحدی' ثعلبی کے خوشہ چین ہیں لیکن ثعلبی کے مقابلہ میں اُن کی عربیت کی مہارت کہیں زیادہ تھی مگر سلامتیٔ ذہن اور اتباع سلف سے کوسوں دور تھے۔"

3- عبد الرحمن بن علی بن محمد' جوزی' قرشی' بغدادی' ابو الفرج' بغداد میں ۵۰۸ھ = ۱۱۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ حدیث' تفسیر' تاریخ اور مواعظ کے کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ تین سو کے قریب کتابیں لکھیں۔ مقام جوز پر پانی کے ایک گھاٹ کی طرف ان کے آباء واجداد میں سے کوئی ایک منسوب تھے' اسی لیے ابن جوزی کہلائے۔ ۵۹۷ھ = ۱۲۰۱ء کو بغداد ہی میں وفات پائی۔ (وفیات الاعیان ۳:۱۴۰' تذکرۃ الحفاظ ۴:۱۳۴۲' الاعلام ۳:۳۱۶)

4- احمد بن علی بن محمد کنانی' عسقلانی' ابو الفضل' شہاب الدین' ابن حجر' قاہرہ میں ۷۷۳ھ = ۱۳۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ شعر وادب کے دلدادہ تھے' پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے حصول میں صعوبتیں برداشت کیں۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ حدیث' رجال اور تاریخ کے بے نظیر عالم ہیں۔ ۸۵۲ھ = ۱۴۴۹ء کو قاہرہ ہی میں وفات پائی۔ (البدر الطالع ۱:۸۷' الاعلام ۱:۱۷۸)

5- عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین' خضیری' سیوطی' جلال الدین' ۸۴۹ھ = ۱۴۴۵ء کو پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے کہ والد کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ قاہرہ میں پلے بڑھے۔ چالیس سال کی عمر میں دریائے نیل کے روضۃ المقیاس میں عزلت نشین ہوئے اور وہیں اپنی اکثر کتابیں لکھیں۔ امراء اور شرفاء ان سے ملنے وہاں آتے اور وظائف وتحائف پیش کرتے مگر آپ کسی سے ملتے اور نہ وظیفہ یا تحفہ قبول کرتے۔ ۹۱۱ھ = ۱۵۰۵ء کو وفات پائی۔ (شذرات الذہب ۸:۵۱' الاعلام ۳:۳۰۱)

6- احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم' حرانی' دمشقی' حنبلی' ابو العباس' تقی الدین ابن تیمیہ' ۶۶۱ھ = ۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی معیت میں مصر منتقل ہو گئے۔ ۷۲۸ھ = ۱۳۲۸ء کو قلعہ دمشق میں حالتِ اسارت میں وفات پائی۔ بڑے فطین اور ذکی عالمِ دین تھے۔ (المعجم المختص بالمحدثین' ذہبی: ۲۵' البدایۃ والنہایۃ ۱۴:۱۴۱' الاعلام ۱:۱۴۴)

7- محمد بن بہادر بن عبد اللہ' زرکشی' ابو عبد اللہ' بدر الدین' ۷۴۵ھ = ۱۳۴۴ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ ترکی الاصل ہیں۔ شافعی فقیہ تھے۔ اصولی عالم تھے۔ کئی فنون میں مفید کتابیں تصنیف کیں۔ مصر ہی میں ۷۹۴ھ = ۱۳۹۲ء کو فوت ہوئے۔ (الدرر الکامنۃ ۳:۳۹۷' الاعلام ۶:۶۰)

8- ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم' عمری' حنفی' نقش بندی' محدث دہلوی۔ ۱۱۱۴ھ = ۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ سولہ سال کے تھے کہ درس وتدریس کی اجازت مل گئی۔ ہند میں تفسیر وحدیث کو مشتہر کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ۶:۴۱۰' تذکرہ علمائے ہند: ۵۴۲)

[9]- اسباب النزول:۳

[10]- محمد بن علی بن وہب بن مطیع، ابو الفتح، تقی الدین، قشیری، منفلوطی الاصل ہیں۔ بحر احمر کے ساحل ینبع میں ۶۲۵ھ=۱۲۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ مجتہد اور اصول کے ماہر عالم تھے۔ دمشق میں تعلیم پائی۔ ۶۹۵ھ کو دیار مصریہ کے جج کے عہدے پر فائز ہوئے، قاہرہ میں ۷۰۲ھ=۱۳۰۲ء کو وفات پائی۔(الدرر الکامنۃ ۴:۹۱، الاعلام ۶:۲۸۳)

[11]- اِحکام الاحکام ۴:۱۴۷، الاتقان ۱:۸۸، نوع:۹

[12]- مجموع الفتاویٰ ۱۳:۱۵۱، الاتقان ۱:۸۸، نوع:۹

[13]- الفوز الکبیر:۱۸-۱۹

[14]- الفوز الکبیر:۵۰

[15]- صحیح بخاری، سنن ترمذی اور مستدرک حاکم میں تفسیر سے متعلق ابواب.

[16]- محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی، المدنی۔ عرب کے قدیم ترین مؤرخین میں سے ہیں۔ مدینہ منورہ سے تعلق تھا۔ حافظ حدیث تھے۔۱۱۹ھ کو اسکندریہ منتقل ہوئے۔ بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہاں ۱۵۱ھ=۷۶۸ء کو وفات پائی۔(تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۷۲، الاعلام ۶:۲۸)

علماء متفق ہیں کہ مغازی اور تاریخ میں وہی مرجع ہیں لیکن حلال و حرام والی روایتوں میں حجت نہیں۔ بالکل واہی بھی نہیں، بلکہ اُن کی روایت کو استشہاد میں پیش کیا جا سکتا ہے۔(تذکرۃ الحفاظ ۱:۱۷۳)

[17]- محمد بن عمر بن واقد السہمی الاسلمی، المدنی، ابو عبد اللہ، الواقدی، مؤرخ اسلام تھے۔ ۱۳۰ھ=۷۴۷ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں پلے بڑھے۔ گندم کا کاروبار کرنے کی نسبت سے حَنَّاط کہلاتے ہیں۔ ۱۸۰ھ کو کاروبا ٹھپ پڑ جانے کے بعد عراق منتقل ہوئے۔ یحییٰ ابن خالد برمکی کی وساطت سے خلیفہ نے بغداد کا قاضی بنایا۔ ۲۰۷ھ=۸۲۳ء کو بغداد ہی میں وفات پائی۔(تاریخ بغداد ۳:۳، الاعلام ۶:۳۱۱) روایت حدیث کے سلسلے میں نہایت کم زور ہیں، چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں: متروک الحدیث تھا۔(تاریخ کبیر ۱:۱۷۸، تاریخ اَوسط ۲:۲۲۰، تاریخ صغیر ۲:۲۸۳) امام شافعی فرماتے ہیں: واقدی کی ساری کتابیں جھوٹی ہیں۔(الجرح والتعدیل ۸:۲۱، سیر اعلام النبلائ ۹:۴۶۲)

[18]- محمد بن سائب بن بشر بن عمرو بن حارث کلبی، ابو النضر۔ نسب، روایتِ حدیث، تفسیر، اخبار اور ایام عرب کے بڑے عالم تھے۔ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ بنو قضاعۃ کی ایک شاخ کلب بن وبرۃ سے تعلق کی وجہ سے کلبی کہلائے۔ ۱۴۶ھ=۷۶۳ء کو کوفہ میں وفات پائی۔(وفیات الاعیان ۴:۳۰۹، ترجمہ:۶۳۴، الاعلام ۶:۱۳۳)

اُنہیں کذاب اور متروک الحدیث کہا گیا ہے۔ انہوں نے ابو صالح کی سند سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو حدیث و تفسیر نقل کی ہے، وہ اُن کی اقرار کے مطابق ساری کی ساری جھوٹی ہیں۔(الجرح والتعدیل ۷:۲۷۰-۲۷۱، ترجمہ:۱۴۷۸)

[19]- یعنی: وہ ہر ایک آیت کے تحت ایک قصہ ذکر کرتے ہیں۔

[20]- سورۃ الانعام ۶:۱۴۵

[21]- البرہان ۱:۲۳، الاتقان ۱:۸۹

22۔ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہاشمی، قُرشی، ابو عبد اللہ، ۱۵۰ھ = ۷۶۷ء کو غزہ [فلسطین] میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ لائے گئے۔ دو دفعہ بغداد گئے۔ ۱۹۹ھ کو مصر تشریف لے گئے اور اپنی وفات ۲۰۴ھ = ۸۲۰ء تک وہیں رہے۔ آپ شعر، لغت، ایام عرب، فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ نہایت ذکی، فطین، ذہین اور حاضر جواب تھے۔ پہلا فتوی بیس سال کی عمر میں دیا تھا۔ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن ختم کرنے کا معمول تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱:۳۶۱، الاعلام ۶:۲)

23۔ اسباب النزول:۸، الاتقان ۱:۸۷، نوع:۹

24۔ الفوز الکبیر:۳۸

25۔ سورۃ آل عمران ۳:۱۸۸

26۔ مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، ۲ھ = ۶۲۳ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ طائف میں پلے بڑھے۔ مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ ۶۵ھ = ۶۸۵ء کو دمشق میں طاعون سے وفات پائی۔ (اسد الغابۃ ۴:۲۵۲، ترجمہ:۴۸۵۰، الاعلام ۷:۲۰۷)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: وھو صحابي عندطائفةٍ کثیرةلأنہ ولد في حیاة النبي صلی اللہ علیہ وسلم وروی عنہ في حدیث صلح الحدیبیۃ و في روایۃ في صحیح البخاری عن مروا ن رضي اللہ عنہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ۸:۲۳۸)" ایک بڑے گروہ کے نزدیک مروان رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح حدیبیہ کی ایک روایت بیان کی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایک روایت سیدنا مروان رضی اللہ عنہ سے موجود ہے۔"

مزید ارشاد فرماتے ہیں: "روی مروان عن عمر، وعثمان، وعلی، وزید بن ثابت، وبُسَیرة بنت صفوان" (البدایۃ والنہایۃ ۸:۲۳۸)" سیدنا مروان نے سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا زید بن ثابت اور سیدہ بسیرہ بنت صفوان رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات لی ہیں۔"

27۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب، قرشی، ہاشمی، ۳ قبل ہجری = ۶۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ رسول اللہ کے چچازاد بھائی، جلیل القدر صحابی ہیں۔ حبر الامۃ (امت کے عالم) اور ترجمان القرآن جیسے القاب سے نوازے گئے۔ طائف میں سکونت پذیر تھے اور وہیں ۶۸ھ = ۶۸۷ء کو وفات پائی۔ (اسد الغابۃ ۳:۱۹۶، ترجمہ:۳۰۳۸، الاعلام ۴:۹۵)

28۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر [۶۵] تفسیر سورۃ آل عمران [۳] بابٌ: و لا تحسبن الذین یفرحون بمااتوا [۱۶] حدیث:۴۵۶۸

29۔ مجموع الفتاویٰ ۱۳:۱۵۱

30۔ اِحکام الاحکام ۴:۱۴۷

31۔ محمود بن عمر بن محمد بن احمد، خوارزمی، جاراللہ، ابو القاسم، خوارزم کے مضافاتی گاؤں زمخشر میں ۴۶۷ھ = ۱۰۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ عرصۂ دراز تک مکہ معظمہ میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے جاراللہ کہلائے۔ خوارزم میں ۵۳۸ھ = ۱۱۴۴ء کو وفات پائی۔ لغوی، ادیب، حنفی اور معتزلی تھے۔ (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ:۳۹۵، ترجمہ:۱۵۷۴، الاعلام ۷:۱۷۸) حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "صالحٌ، لکنہ داعیۃٌ إلی الإعتزال، أجارنا اللہ منہ، فکن حَذِراً من کشّافہ" (میزان الاعتدال ۴:۷۸، ترجمہ:۸۳۶۷، لسان المیزان ۴:۶، ترجمہ:۶) "روایت

حدیث کے سلسلے میں صالح اور داعی معتزلی تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتزال سے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ لہٰذا اُن کی کشاف کے بارے میں محتاط رہیے۔"

[32]۔ تفسیر الکشاف: ۱۲۲۰، تفسیر سورۃ الہمزۃ، البرہان فی علوم القرآن ۱:۳۲

[33]۔ البرہان فی علوم القرآن ۱:۳۲

[34]۔ الاتقان فی علوم القرآن ۱:۸۹، نوع: ۹، مسئلہ: ۲

[35]۔ حافظ سیوطی نے اس کے لیے کئی مثالیں دی ہیں، مثلاً: ظہار کی آیت سیدنا سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آیتِ لعان کا نزول سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوا تھا اور حدِ قذف کا نزول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے والوں کے حق میں ہوا تھا مگر بعد میں یہ اَحکام اوروں کی طرف بھی متعدی ہو گئے۔ (الاتقان فی علوم القرآن ۱:۹۰)

[36]۔ الفوز الکبیر: ۴۷-۴۷